سائنس کے عظیم مضامین

ترجمہ: شہزاد احمد

فرانسس بیکن • ولیم جیمز • ایچ جی ویلز • فرائیڈ

برٹرینڈرسل • ٹی. ایچ ہکسلے

جی کے چسٹرٹن • کارل ساگان • آئزک ایسی موف

اورتیگا گاست • جان بروز • ریچل کارسن

فری مین ڈائی سن • لوئیس ٹامس

سٹیفن جے گولڈ

مشعل

1

سائنس کے عظیم مضامین

تالیف: مارٹن گارڈنر

اردو ترجمہ: شہزاد احمد

مشعل بکس

آر بی۔۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

2

سائنس کے عظیم مضامین

تالیف: مارٹن گارڈنر
اردو ترجمہ: شہزاد احمد

کاپی رائٹ اردو (c) مشعل بکس
کاپی رائٹ انگریزی (c) مارٹن گارڈنر

ناشر: مشعل بکس
آر بی 5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور۔54600، پاکستان
فون و فیکس042-35866859

MashalBooks.org

3

ایک سفید فام شخص نے ریت پر ایک چھوٹا سا دائرہ بنایا اور سرخ فام شخص سے کہا...... ''یہ وہ ہے جو (ریڈ) انڈین جانتے ہیں'' پھر چھوٹے دائرے کے گرد ایک بڑا دائرہ بنایا اور کہا ''یہ وہ ہے جو سفید فام لوگ جانتے ہیں۔'' ریڈ انڈین نے اس کی چھڑی پکڑ لی اور دونوں دائروں کے گرد ایک بہت بڑا دائرہ کھینچ دیا اور کہا ''یہ وہ ہے جس کے بارے میں سفید فام لوگ اور سرخ فام لوگ دونوں ہی کچھ نہیں جانتے۔''

کارل سینڈ برگ

Carl Sandburg

MashalBooks.org

فہرست

ابتدائیہ
فرانسس بیکن
سفنکس
سٹیفن جے گولڈ
اخلاق سے مبرا فطرت
ولیم جیمز
وجود کا مسئلہ
گلبرتھ کیتھ چسٹرٹن
پریوں کے نگر کی منطق
کارل ساگاں
کیا ہم کائنات کو جان سکتے ہیں
نمک کے ایک دانے کے بارے میں کچھ خیالات
ہوزے اور تیگا گاسیت
تخصیص کاری کی بربریت
جان بروز
سائنس اور ادب
آئزک ایسی موف
سائنس اور خوبصورتی
ریچل کارسن
بے سورج سمندر
ایچ جی ویلز

MashalBooks.org

5

توانائی کا ایک نیا ماخذ

سگمنڈ فرائیڈ

پیارے لوگوں کی موت کے خواب

برٹرینڈ رسل

ہمیں سائنس سے محفوظ رکھنے والی سائنس

فری مین ڈائی سن

سائنس دان بطور باغی

لوئیس ٹامس

سات عجائبات

MashalBooks.org

ابتدائیہ

نیوٹن نے اپنے لیے سائنس دان کا لفظ کبھی استعمال نہیں کیا' وہ ہمیشہ اپنے آپ کو نیچرل فلاسفر ہی کہتا رہا۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ یہ لفظ اس زمانے میں ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا جن معنوں میں اب استعمال ہوتا ہے۔ اور اب بھی اس لفظ کے ساتھ جو تلازمے بنائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر منفی اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ خصوصاً ہمارے معاشرے میں جہاں سائنس کو زندہ موضوع کے طور پر کبھی قبول نہیں کیا گیا۔ جو طلبا سائنس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں سائنس کے نام پر بہتر نوکری ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ سائنس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد' بھی یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی اچھی سی نوکری انتظامیہ میں مل جائے اور تحقیق اور تدریس کا کام نہ کرنا پڑے۔ تحقیق و تدریس کی طرف عام طور پر وہ لوگ آتے ہیں جن کے پاس کرنے کو کچھ اور نہیں ہوتا۔ سائنس ہمارے اکثر طلبا کے لیے آخری انتخاب ہے۔ پھر سائنس پڑھانے والے اساتذہ چونکہ ایسے ہیں جو سائنس میں بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں لہٰذا وہ طلبا کے اندر بھی صحیح ذوق وشوق پیدا نہیں کر سکتے۔ یونیورسٹیوں میں عملی تحقیقی کام خال خال ہی کیا جاتا ہے۔ جو ادارے سائنس کے نام پر قائم کیے گئے ہیں ان میں بھی ایک بے دلی کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایک زمانے تک ہم سائنس کی مخالفت مذہبی بنیادوں پر بھی کرتے رہے ہیں حالانکہ بقول ڈاکٹر عبد السلام سائنس کا کوئی بھی نظریہ یا دریافت ایسی نہیں ہے جو ہمارے قرآنی معتقدات کے خلاف ہو۔ لہٰذا یہ ساری کی ساری دھوئیں کی دیوار ایک غلط فہمی کی بنا پر بن گئی ہے اور پھر کوئی تازہ ہوا کا جھونکا ایسا نہیں آیا جو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے آگے

MashalBooks.org

نکل جائے۔ سیاست دان اور نوکر شاہی دونوں ہی سائنس کی فراہم کردہ سہولتوں سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں مگر یہ کوشش کبھی نہیں کرتے کہ اس کا کچھ فائدہ ہم ملک یا قوم کے طور پر بھی اٹھا سکیں۔ ہم محض اس لیے پسماندہ ہیں کہ ہم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی نہیں دی۔ اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں مگر یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے بغیر ہم کبھی ترقی یافتہ قوم نہیں بن پائیں گے۔

ہمارا ہمسایہ ملک بھارت سائنس کی اہمیت کو ہم سے کہیں زیادہ بہتر طور پر سمجھتا ہے لہٰذا وہاں یہ شعور موجود ہے کہ انہیں غربت دور کرنی ہے اور دنیا کی خوشحال قوموں میں شمار ہونا ہے مگر ہم ابھی تک اپنی کھڑکی سے باہر جھانکنے کے لیے تیار نہیں۔

سائنس ہمارا ثقافتی اور دینی ورثہ بھی ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے دوران ہم نے اس شمع کو فروزاں رکھا تھا۔ اسی وجہ سے یہ علوم اب پھل پھول رہے ہیں۔ مسلمانوں نے استقرائی (Inductive) طریق کار کو پہلی بار صحیح اہمیت دی تھی اور اب اسی رویے کے باعث سائنس وہ کچھ ہے جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔

سائنس نے اپنی تگ و دو میں جہاں بڑے بڑے تجربات کیے ہیں' مختلف چیزیں بنائی ہیں وہاں کچھ سائنسی ادب بھی تخلیق کیا ہے۔ اور یہ ادب اس قابل ہے کہ اسے ہر لحاظ سے دوسرے موضوعات پر لکھی جانے والی تحریروں کے مقابلے میں اعلیٰ مقام دیا جا سکے۔ موجودہ کتاب زیادہ تر ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مارٹن گارڈنر (Martin Gardner) نے اپنی کتاب Great Essays in Science میں منتخب کیے ہیں۔ اس کتاب میں کل تین درجن مضامین شامل ہیں، ان میں سے ہم نے 13 مضامین چنے ہیں اور ایک اضافی مضمون بھی شامل کیا ہے۔ ان مضامین کا انتخاب کرتے وقت یہ ملحوظ نظر رکھا گیا ہے کہ یہ مضامین کسی نہ کسی حوالے سے ہمارے لیے دلچسپی کے حامل ہوں' خواہ اس کی وجہ ان کا موضوع ہو' یا مصنف کی ہمارے معاشرے میں مقبولیت ہو۔ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ سائنس کے اعلیٰ ترین مضامین یہی ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور موجود نہیں ہے مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ہر مضمون ایسا ہے جو کئی لحاظ سے عظیم مضمون شمار ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کا بنیادی حوالہ آپ کی دلچسپی ہے' ہم نے کوشش کی ہے ایسے مضامین پیش کیے جائیں جو آپ کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں، اس لیے زیادہ تر مضامین ایسے ہیں جو پیچیدہ

MashalBooks.org

اور خالص سائنس سے متعلق نہیں ہیں بلکہ زندگی کے تمام موضوعات سے متعلق ہیں مگر ان موضوعات کو ایک مختلف اور سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ دنیا کے سات عجائبات کے بارے میں' مثال کے طور پر آپ جانتے ہیں' مگر کچھ عجائبات خود زندگی کے اندر موجود ہیں۔ سفینکس(Sphinx) کی کہانی دنیا بھر کے ادب اور جدید نفسیات میں تحلیل نفسی کی بنیاد ہے۔ عورت میں کیا شے خوبصورت ہوتی ہے' ایسا موضوع ہے جو آج تک مختلف حوالوں سے دلچسپی کا باعث ہے۔ کلچر' ادب' خیر وشر' سمندر' وجود' غرض بہت سے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ہم قارئین سے یہ توقع تو نہیں کرتے کہ وہ ان سب معاملات میں مصنفین سے اتفاق ہی کریں گے مگر یہ امید ضرور رکھتے ہیں وہ اختلاف کرتے وقت محض تعصّبات تک محدود نہیں رہیں گے۔

سوائے ایک آدھ مضمون کے فلسفیانہ مباحث کو خاص طور پر نہیں چھیڑا گیا۔ مگر ادب کے بعض موضوعات خاص طور پر زیر بحث لائے گئے ہیں' ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ جدید سائنس فلسفے سے کہیں زیادہ شاعری کے قریب ہے۔ ہائیزن برگ کے اصول لاتیقن (Principle of Uncertainty) کی دریافت کے بعد سائنس' شاعری اور تصوف کے بہت قریب آ گئی ہے مگر اس کے باوجود تینوں کے طریق کار الگ الگ ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ چیزیں اپنی اعلیٰ ترین صورت میں ایک جیسی ہوتی ہیں امتیازات صرف نچلی سطح پر محسوس کیے جاتے ہیں۔

ذاتی طور پر میری خواہش ہے کہ سائنس کے عظیم مضامین پر اردو میں بہت سی کتابیں موجود ہوں اور اس میں کچھ مضامین ایسے بھی ہوں۔ جو پہلی بار اردو میں لکھے گئے ہوں، جیسے کہ ایک زمانے میں دنیا بھر کے علوم کی کثرت عربی زبان میں موجود تھی۔ مگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت کام کرنا پڑے گا اور ابھی تک ہم نے تو آغاز بھی نہیں کیا۔ بہت وقت گزر چکا ہے مگر دنیا ابھی اپنے انجام کو نہیں پہنچی۔ اب بھی آغاز کیا جا سکتا ہے' حوصلے اور مصمم ارادے کے ساتھ...... یاد رکھئے سائنس کبھی کسی کو مایوس نہیں لوٹاتی مگر کئی بار صبر آزما ضرور ہو جاتی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

شہزاد احمد

18 دسمبر1995ء

فرانسس بیکن (Francis Bacon)

فرانسس بیکن (1561-1626) انگریز وکیل اور فلسفی تھا۔ وہ 1582ء میں بار کا رکن بنا اور 1584ء میں رکن پارلیمنٹ ہوا 1590ء میں اپنی سیاسی پیش قدمی کے لیے اس نے ارل آف اسیکس (Earl of Essex) ثانی سے دوستی کی مگر 1601ء میں اس نے اپنے محسن کے خلاف بغاوت کے مقدمے میں مخالفین کا ساتھ دیا۔ جیمز اوّل کی حکومت میں (1603-25) بیکن کو خاص کامیابیاں حاصل ہوئیں، وہ انگلستان اور سکاٹ لینڈ کی یونین کا کمشنر مقرر کیا گیا؟ (1604ء) اٹارنی جنرل مقرر ہوا (1613ء) اور لارڈ چانسلر (1681ء) بنا۔ 1621ء میں البتہ اس کو رشوت کے جرم میں ملوث پایا گیا اور چالیس ہزار پونڈ جرمانہ کیا گیا اور پارلیمنٹ اور سرکاری عہدے سے معزول کر دیا گیا۔

فرانسس بیکن کی شہرت کی وجہ اس کی فلسفیانہ اور ادبی تحریریں ہیں اس نے سترہویں صدی کے سائنسی فکر کو بھی خاصا متاثر کیا۔ 1597ء میں اس کے مضامین کا مجموعہ شائع ہوا جو سچائی، دوستی اور موت کے بارے میں تھا۔ اس طرح کی اور تحریریں 1625ء میں منظر عام پر آئیں۔ اس کی کتاب The Advancement of Learning میں اس نے علوم کی نئی جماعت بندی کی، پھر 1623ء میں ایک اور کتاب کے ذریعے اس کو مزید وسعت دی، پھر 1620ء میں اس نے Norum Organum Scientiarum میں یہ استدلال کیا کہ علم صرف تجربے ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس نے استقرائیہ (Induction) نظریہ کی حمایت کی اس نے ہنری

ہفتم کی ایک تاریخ بھی تالیف کی۔1626ء میں اس نے New Atlantis لکھی جو مثالی ریاست کو بیان کرتی ہے۔

سفنکس کے بارے میں اس کا مشمولہ مضمون اس کے فلسفیانہ ادبی اور سائنسی فکر کی نمائندگی کرتا ہے یہ بیک وقت تین سرحدوں کو چھونے والا ایک منطقہ ہے، اور اس میں سائنس کے بارے میں ایسے رویے کا اظہار ہوتا ہے جو بعد میں کئی سطحوں پر اپنایا گیا تھا۔
فرانسس بیکن کو1st Baron Verulam اور Viscount St. Albans بھی کہا جاتا ہے۔

MashalBooks.org

فرانسس بیکن

ابوالہول(The Sphinx)

سفنکس ایک ایسا عفریت یا بلا تھی، جس میں بہت سی شکلیں جمع ہو گئی تھیں، اس کی شکل اور آواز دوشیزاؤں جیسی تھی، بازو پرندے کے اور پنجے سیمرغ جیسے تھے، وہ تھیبز(Thebes) کے قریب ایک پہاڑی کے پتلے سے ابھار پر رہتی تھی اور تمام راستوں پر نگاہ رکھتی تھی۔ وہ گھات لگاتی اور اچانک راہ گیروں پر حملہ کر دیتی۔ جب وہ پوری طرح ان پر قابو پا لیتی تو ان سے پریشان کر دینے والی پہیلیاں بوجھنے کے لئے کہتی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ پہیلیاں فنونِ لطیفہ کی دیویوں(Muses) سے حاصل کی تھیں۔ اگر اس کے چنگل میں پھنسا ہوا بے چارہ قیدی فوری طور پر اس کا صحیح جواب نہ دے پاتا اور الجھا ہوا نظر آتا تو وہ بڑے ظالمانہ طریقے سے اس کے پرزے اڑا دیتی۔ یہ سلسلہ ایک عرصے سے جاری تھا۔ خاصی مدت گزر جانے کے بعد بھی اس آفت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تو تھیبز کے رہنے والوں نے اعلان کیا کہ جو شخص اس کی پہیلیاں بوجھ لے گا، اسے بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ (اسی ایک طریقے سے اس کے ظلم سے نجات حاصل کی جا سکتی تھی) چونکہ یہ بہت بڑا انعام تھا اس لیے ایڈی پس(Oedipus) جو حکمت والا اور زیرک تھا مگر لنگڑا کر چلتا تھا، سفنکس کی شرائط مان کر جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو گیا۔ پھر اس نے خود کو بڑے اعتماد اور خوش دلی کے ساتھ سفنکس کے سامنے پیش کیا۔ سفنکس نے اس سے پوچھا کہ وہ کون سا جاندار ہے جو پیدائش کے وقت چارپایہ(Four Footed) ہوتا ہے، پھر دوپایہ ہوتا ہے اس کے بعد سہ پایہ ہوتا اور آخر میں ایک بار پھر چارپایہ ہو جاتا ہے۔ اس نے بغیر کسی تاخیر کے جواب دیا وہ

انسان ہے، جو اپنی پیدائش کے بعد بچپن میں چاروں ہاتھ پاؤں سے گھسٹتا ہے اور بمشکل رینگنے کی کوشش کرتا ہے۔ کچھ ہی مدت میں دو پیروں پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے، پھر بڑھاپے میں چھڑی تھامے ہوئے جھک کر چلتا ہے، اور یوں لگتا ہے گویا وہ تین پیروں پر چل رہا ہے، اور پھر اپنی آخری عمر میں جب وہ بے حد بوڑھا ہو جاتا ہے ضعف و ناتوانی اس پر طاری ہو جاتی ہے اور قوت عطا کرنے والے سرچشمے سوکھ جاتے ہیں، تو وہ پھر سے چوپایہ بننے کی ذلت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اپنے بستر سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ یہ جواب بالکل درست تھا۔ اس جواب کی وجہ سے اسے فتح حاصل ہوگئی، اس نے سفنکس کو قتل کر دیا، اور اس کی لاش گدھے پر لاد کر فاتحانہ انداز میں آگے بڑھا، آخر اسے معاہدے کے مطابق تھیبز کا بادشاہ بنا دیا گیا۔

یہ بہت شاندار حکایت ہے، حکمت والی بھی ہے، ظاہر ہے کہ یہ اس لیے ایجاد کی گئی کہ سائنس کا استعارہ بیان ہو سکے، اس کا اطلاق خاص طور پر عملی زندگی پر ہوتا ہے۔ سائنس جاہلوں اور بے ہنروں کے لیے عجوبہ ہے، اس کو بے وقوفی سے عفریت نہیں کہا جانا چاہیے، شماریات میں اور دیگر مختلف شعبوں میں اسے بہت سے چہروں والا ظاہر کیا جاتا ہے، کیونکہ استعاراتی طور پر اس کا تعلق بے شمار معاملات سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا چہرہ اور آواز عورت کی سی ہے، اور خوبصورتی اور پیرایہ اظہار میں وہ نسائیت رکھتی ہے، پرندوں جیسے بازوؤں کا اضافہ اس لیے کیا گیا ہے کہ سائنس اور سائنس کی دریافتیں فوراً ہی پھیل جاتی ہیں، گویا اڑ جاتی ہیں۔ علم کی ترسیل اس طرح ہے جیسے ایک موم بتی سے دوسری موم بتی جلائی جاتی ہے، اور فوراً ہی جل اٹھتی ہے۔ تیز اور مڑے ہوئے پنجے جو اس کے ساتھ لگا دیئے گئے ہیں، بہت مرعوب کرنے والے ہیں، یہ اس لیے کہ سائنس کے کلیے (Axioms) اور استدلال دل میں اتر جانے والے ہیں، اور ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ جب ایک بار وہ دل میں اتر جائیں تو پھر ان سے فرار یا گریز ممکن نہیں ہوتا، یہ وہ نکتہ ہے جو مقدس فلسفی کے علم میں بھی خاص طور پر ہوتا ہے، دانشمند کے الفاظ مہمیز کی طرح ہوتے ہیں یا پھر کیل کی طرح جو دور تک اندر کھبا ہوا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ علم کے بارے میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کا مقام کسی اونچی پہاڑی پر ہی ہوگا، وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کا احترام پر جمال اور پُرشکوہ شے کے طور پر کیا جائے، جو ایک پروقار بلندی سے جہالت پر حقارت کی نظر ڈالتا

ہے اور اس کے چاروں طرف پھلنے پھولنے کی بہت گنجائش ہوتی ہے' ویسے ہی جیسے پہاڑ کی چوٹیوں سے ہمیں نظر آتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم راستوں کی نگہبانی کرتا ہے کیونکہ سفر کے ہر موڑ پر یا انسانی زندگی کے مقدس سفر میں ایسے معاملات اور مواقع بہت آتے ہیں جب اپنے اردگرد کو دیکھنے اور اس پر غور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ سفینکس انسانوں سے کئی نوعیت کے مشکل سوالات کرتی ہے اور یہ چیستان اس کو فنون کی دیویوں کی طرف سے موصول ہوتے ہیں۔ یہ سوالات جب تک دیویوں کے پاس رہتے ہیں' شاید ان میں کسی طرح کی کوئی سفاکی موجود نہیں ہوتی' جب تک اس کا مقصد محض اس قدر ہو کہ ان پر غور کرنا اور ان کو مطالعے میں لانا محض جاننے کی حد تک ہے تو نہ ہی فہم پر زور پڑتا ہے اور نہ ہی اسے سیدھا اور صاف کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے' یہی کافی ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ آوارہ خیالی کر لی جائے یا تھوڑی بہت تشریح ہو جائے' اس صورت حال میں نتائج حاصل ہونا ضروری نہیں' البتہ انتخاب کرنے کے لیے مواد بہت ہوتا ہے جس سے خوشی اور انبساط حاصل کیا جا سکتا ہے' لیکن جب یہ مواد دیوی سے سفنکس کے پاس آ جاتا ہے' تو گویا فکر عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فوری عملی انتخاب اور فیصلے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے' یہ گویا تکلیف اور سفاکی کا آغاز ہے' اور جب تک ان کا حل تلاش کر کے ان سے گلوخلاصی نہ کر لی جائے' وہ عجیب طریقے سے ذہن کو پریشانی میں مبتلا رکھتے ہیں، کبھی ایک طرف کھینچتے ہیں کبھی دوسری طرف اور یوں انسان کے پرزے اڑا دیتے ہیں' پھر یہ بھی ہے کہ سفنکس کی پہیلیاں اپنے ساتھ دوہری معنویت رکھتی ہیں' پریشان خیالی اور دل آزاری اس صورت میں ہے' جب آپ اسے حل نہ کر سکیں' اور اگر آپ کامیاب ہو جائیں تو ایک بھری بھرائی سلطنت مل جاتی ہے جو اپنے مضمون پر پوری طرح حاوی ہے۔ ہر کاریگر اپنے کام کا بادشاہ ہے۔

سفنکس کی پہیلیاں مجموعی طور پر دو طرح کی ہوتی ہیں' ایک کا تعلق اشیا کی ماہیت (Nature) کے ساتھ ہے' دوسری کا رشتہ فطرت انسانی کے ساتھ ہے۔ اس طرح ان پہیلیوں کو حل کرنے کی صورت میں دو طرح کی سلطنتیں انعام میں پیش کی جاتی ہیں' ایک کا تعلق فطرت کے ساتھ ہے اور دوسری کا انسان کے ساتھ۔ جب قدرتی اشیا پر قابو پالیا جاتا ہے جیسے...... اجسام' ادویات' میکانکی قوتیں اور اس طرح کی لاتعداد ہی چیزیں۔ یہ قدرتی (Natural)

فلسفے کا خاص اور حتمی مقصد ہے، مگر وہ فلسفہ جس کا تعلق کلیسا کے مسلک سے ہے، تو جو کچھ اسے حاصل ہوتا ہے وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے، اور اس بارے میں لمبی چوڑی باتیں شروع کر دیتا ہے، اور اس عمل میں یہ فراموش کر دیتا ہے کہ اسے حقائق اور اعمال کے بارے میں تحقیق بھی کرنی ہے، جو پہیلی ایڈی پس سے پوچھی گئی تھی، اور جسے بوجھ کر وہ تھیز کا بادشاہ بنا تھا، اس کا تعلق انسان کی فطرت سے ہے اگر کوئی شخص انسان کی فطرت سے پوری آگاہی رکھتا ہو تو پھر وہ اپنی قسمت اپنی مرضی کے مطابق بنا سکتا ہے، وہ گویا پیدائشی طور پر سلطنت کا حقدار ہے، جیسا کہ رومنوں کے فنون کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

کیا تم وہ فن ہو
اے روم، جو ایک نظام کے ذریعے قوم پر حکومت کرتا ہے
اور جانتا ہے کہ کس کو چھوڑنا ہے اور کس کو گھیرنا ہے
اور کس طرح دنیا کے اعمال کا فیصلہ کرنا ہے۔

اور شاید اسی وجہ سے یہ حسن اتفاق تھا کہ سیزر آگس ٹس (Caesar Augustus) نے جان بوجھ کر یا اتفاق سے سفنکس کو اپنی مہر کے لیے چنا۔ وہ یقینی طور پر سیاست کے فن کا بہت بڑا ماہر تھا، اس جیسا شاید کوئی اور نہیں تھا اور اس نے اپنی زندگی میں فطرت انسانی کے بارے میں بہت سے معمے کامیابی سے حل کیے تھے، اور اگر وہ ان کو چابکدستی سے فوراً حل نہ کر لیتا، تو وہ کئی بار ناگزیر خطروں میں گھر کر تباہی سے ہمکنار ہو سکتا تھا۔ حکایت میں یہ بات بھی بہت خوبصورتی سے بیان کی گئی ہے کہ جب سفنکس کو مار گرایا گیا تو پھر اس کی لاش گدھے کی پیٹھ پر رکھی گئی۔ یہ بات اس کہانی کی سب سے دقیق اور نازک بات ہے، اسے ایک بار سمجھ لیا جائے اور اسے زمانے میں پھیلا دیا جائے تو یہ بات ان کی سمجھ میں بھی آ جاتی ہے جو بہت کم عقل ہیں۔ اس کے کچھ اور نکات بھی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ سفنکس کو قابو کرنے والا لنگڑا تھا اور اس کا پاؤں پھرا ہوا (Club foot) تھا، ہوتا یہ ہے کہ انسان عام طور پر بہت جلدی میں ہوتے ہیں وہ اس قدر تیز رفتار ہوتے ہیں کہ ان کے پاس سفنکس کی پہیلی بوجھنے کا وقت ہی نہیں ہوتا، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سفنکس جیت جاتی ہے، بجائے اس کے کہ کام اور اعمال سے حکمرانی حاصل کی جائے وہ صرف اپنے ذہنوں کو پریشان کرتے ہیں اور مباحث میں الجھ جاتے ہیں۔

MashalBooks.org